☆فیض اکبر
☆سیّد جاوید اقبال

مجلّہ ''اوراق'' کی ادبی خدمات

The Services of "Oraq" for promotion Urdu Literature

Literary magazines paly vital role for its publications and explations. The history of Literary magazines of Urdu is about 200 year old, during this period there are many magazines were published in Urdu and performed services for Research, Critism , creative writing, translations in Urdu Language in wich "Oraq" one of them. In 1966 it was first time published under the Editor Ship of Dr. Wazir Agha who was great and multi-talented Urdu personality. His contribution for promotion Urdu literature is markeable and under his supervision "Oraq" achieved great success amongs other Literary magazines were publishing that time, these are reasons that genius personalities of Urdu language and literature were participated in the "Oraq" i.e. Dr. Syed Abdullah, Dr. Waheed Qureshi, Dr. M.A Siddiqui, Dr. Ibadat Barelvi, Dr. Jamil Jalbi , Dr. Saleem Akhter, Porf. Nazir Siddiqui, Prof. Syed Waqar Azim, Prof. Mumtaz Hussain and others.

In this article the introduction of literary services of "Oraq" for promotion Urdu Literature has been presented as well as introduction of Editor / co-Editors are also included with various index.

اُردو میں رسائل و جرائد کی تاریخ تقریباً دو سو سال کے عرصے پر محیط ہے۔ اس دوران متعدد اُردو رسائل طباعت کی منزلوں سے گزرے لیکن ''تہذیب الاخلاق'' کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس مجلّے نے اُردو نثر کو جدت سے آراستہ کیا اور ایسے مضامین

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ۔faiz.akbar20@gmail.com
☆ پروفیسر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شوروurdusindh@yahoo.com

شائع کیے جو اخلاقی پہلو کے علاوہ زندگی کی تلخ حقیقتوں اور سچائیوں کا برملا اظہار یہ تھے۔

''تہذیب الاخلاق'' کے بعد رسائل و جرائد کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علمی، ادبی، سیاسی، تعلیمی شعور بھی بڑھتا چلا گیا اور برصغیر پر بیرونی ممالک کے ادبی اور سیاسی نظریات بھی یہاں کے عوام کو متاثر کرنے لگے پھر تقسیم ہند کی تحریک چلائی گئی اور آزاد ہندوستان اور دوسری طرف پاکستان وجود میں آیا۔ دائیں بازوؤں کی تحریکیں منظرِ عام پر آئیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں نفرت کے بیج بوئے گئے۔ مذہبی اور سیاسی رجحان کو نت نئے انداز میں پیش کیا گیا۔ عالمی طاقتوں نے پاکستان کو ٹارگٹ کرنا شروع کیا۔اس کا مقصد پاکستان کے عوام کو نت نئے انداز سے ایک دوسرے کے ہاتھوں اور قلم کے ذریعے زک پہنچائی تھی تاکہ پاکستان میں ذہنی اور فکری استحکام نہ ہو سکے لیکن اس ساری صورتِ حال کے باوجود عوام میں سے ایک بہت بری تعداد یہ شعور رکھتی تھی کہ پاکستان ہمارا ہے اور ہم پاکستانی ہیں۔ پاکستان ہے تو ہم ہیں۔ چنانچہ علماء، ادباء، سیاست دان، دانش ورحضرات وغیرہ مثبت انداز میں استحکامِ پاکستان کے لیے کام کرتے رہے۔اس منظرنامے میں جن رسائل اور جرائد کی خدمات بلاشبہ لائقِ تحسین ہیں۔ان میں وزیر آغا کا ''اوراق'' بھی ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

مجلّہ ''اوراق'' اپنے عہد کا معروف ترین جریدہ ہے۔اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ نصب العین کے تعین کے بعد اس کا اجرا ہوا۔مجلّہ ''اوراق'' جنوری ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ابتدا میں یہ سہ ماہی تھا۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء میں ۴ شمارے منظرِ عام پر آئے پھر اشاعت کے سلسلے میں تھوڑا بہت تعطل رہا۔کسی سال تین، کسی میں دو شمارے شائع ہوئے اور بعض اوقات ایک ہی شمارے کی اشاعت ہو سکی۔جنوری ۱۹۶۶ء سے نومبر، دسمبر ۲۰۰۵ء تک کل ۵۷ شمارے شائع ہوئے۔ان میں سے چوالیس (۴۴) پر ''شمارہ خاص'' درج ہے۔۲۲ شمارے سالنامے، ۳ عام شمارے اور ۵ خصوصی نمبر (افسانہ وانشائیہ نمبر، افسانہ نمبر، جدید نظم نمبر، بہار نمبر، انشائیہ نمبر) شامل ہیں۔ان شماروں کی ضخامت ۲۱۰ صفحات سے ۵۹۰ صفحات تک رہی ہے۔''

جس زمانے میں اوراق کا اجرا ہوا، وہ زمانہ سیاسی، ادبی اور سماجی اعتبار سے ہماری قومی اور ادبی تاریخ کا اہم موڑ تھا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ نے جہاں تباہیوں کے اثرات چھوڑے وہاں دوسری جانب پاکستانی قوم کو فرقوں مذاہب اور لسانی گروہوں سے نکال کر ایک پلیٹ فام پر لا کھڑا کیا۔ چنانچہ جنگ کی گھن گرج کو جہاں عوام نے جذبۂ حب الوطنی کی صورت میں محسوس کیا، وہاں شعرا اور ادبا نے بھی اس بیانیے کو قومی گیتوں کے رنگ میں رنگ دیا۔اس دور میں جتنے ملی نغمے لکھے گئے وہ اس دور کی زندہ تاریخ ہیں۔ادبی رسائل نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے عنوان سے خصوصی نمبر شائع کیے۔ایک طرف تو یہ صورتِ حال تھی اور دوسری جانب نظریۂ پاکستان کے خلاف بھی کام شروع ہو گیا تھا، ایسے موقعے پر ڈاکٹر وزیر آغا نے استحکام پاکستان بہ توسط ادب کا غیر اعلانیہ محاذ سنبھالا۔جس کی مخالفت بعض کوتاہ بیں حلقوں کی جانب سے شدت کے ساتھ کی گئی۔

☆ لیکچرر شعبۂ اُردو،

☆ پروفیسر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو urdusindh@yahoo.com

اگر ہم ''اوراق'' کے پہلے شمارے کے پہلے ورق کو سامنے رکھیں تو ''اوراق'' کے مقاصد اور ''مدیرِ اوراق'' کے نظریات واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:

> ''اوراق'' کا اجراء ایسی فضا میں ہوا جو اس کے بنیادی موقف سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔فرد کی طرح جب کوئی بھی قوم تحفظِ ذات کے عمل میں مبتلا ہوتی ہے تو اپنے اندر غوطہ لگاتی ہے تا کہ خارجی حالات کا پوری طرح مقابلہ کر سکے۔''[۱]

اسی پہلے ورق میں وہ مزید رقم طراز ہیں کہ:

> ''ارضِ وطن تو ایک مقدس اثاثہ ہے جس کے ناموس کے تحفظ کے لیے خون کا آخری قطرہ بہا دینا عین سعادت ہے۔''اسی بات کو اسی صفحے پر اس طرح بیان کرتے ہیں۔'' آج وطن'' کا تحفظ اور وطن کی زمین سے گہری وابستگی ہمارا مقدس فریضہ قرار پایا اور باقی تمام باتیں ثانوی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔''[۲]

مدیرِ''اوراق'' کے نزدیک ملک کی زمین اور زمین پہ رہنے والے، اس زمین پر اُگنے والے پھول پھل سب کی حفاظت ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے یعنی کہ ہم شعر و ادب کے ذریعے ،فکر و فن کے ذریعے اپنے وطن کی خدمت کریں گے۔ان مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے موقف کی مزید وضاحت کے لیے رقم طراز ہیں:

> ''اوراق'' کے پس پشت بنیادی نظریہ یہی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی ملک کے ادب کو اُس کی ثقافت اور تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور ثقافتی ماحول زمین کی باس، پانی، نمک اور فضا پر عناصر آفاقی کے عمل سے پیدا ہوتا ہے۔
> ''اوراق'' زمین کو اہمیت دینے میں اس لیے پیش پیش رہے گا کہ زمین عورت کی طرح تخلیق کرتی ہے۔''[۳]

مذکورہ اقتباس میں مدیر کے جذباتی خیالات نہیں تھے۔یہی وجہ ہے کہ ''اوراق'' کے آخری شمارے تک وزیر آغا اسی موقف پر قائم رہے اور ایسی تاریخ رقم کر گئے جو ایک نظریاتی تھیوری کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا ابتدا سے آخری شمارے تک مدیر رہے جب کہ عارف عبدالمتین ،سجاد نقوی ،انور سدید، بطور مدیر معاون مدیر کے فرائض انجام دیتے رہے۔سلیم آغا قزلباش بطور مدیر انتظام تقریباً چھے سال رہے۔ان مدیران کے بارے میں تفصیلات کئی کتابوں میں ملتی ہیں۔ہم نے انھی کتب سے مدیران کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں جنھیں اپنے الفاظ میں اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا:

وزیر آغا کا اصل نام وزیر خان ہے جب کہ نصرت آرا نصرت آپ کا فرضی ادبی نام تھا لیکن آپ نے اس فرضی نام کو ترک کر کے نصیر آغا اپنایا مگر آپ کی اُفتادِ طبع اس نام پر بھی مطمئن نہ ہوئی تو بالآخر وزیر آغا کا نام پسند کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۹ء میں اسی نام سے نظمیں اور مضامین شائع کیے۔وزیر آغا کے والد کا نام تو وسعت علی خان تھا مگر اُن کے والد نے بیٹے کا نام دادا حاجی وزیر خان کے نام پر رکھا۔وزیر آغا کا تعلق پٹھان خاندان سے تھا جس کی نسبت سے وہ آغا لکھتے تھے۔آپ کے آباؤ اجداد افغانستان سے ہجرت کر کے پشاور آئے۔اس کے بعد چند سال تک لاہور میں قیام کیا اور پھر روزگار کے سلسلے میں انھیں سرگودھا کے قصبے وزیر کوٹ میں سکونت اختیار

کرنی پڑی۔یہیں ۱۸رمئی،۱۹۲۲ءکوڈاکٹر وزیرآغا کی پیدائش ہوئی۔

وزیرآغا نے ابتدائی تعلیم مختلف پرائمری اسکولوں سے حاصل کی۔۱۹۳۴ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔نویں کا امتحان گورنمنٹ ہائی اسکول ساہیوال سے پاس کیا جب کہ میٹرک گورنمنٹ ہائی اسکول سرگودھا سے۔ بعدازاں انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن گورنمنٹ کالج جھنگ سے پاس کیے۔۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔جہاں سے۱۹۴۳ء میں معاشیات میں ایم۔اے کرنے کے بعد۵۲......۱۹۵۱ء میں انھوں نے پی ایچ ڈی کے لیے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیااورڈاکٹرعبادت بریلوی کی زیرِنگرانی ۱۹۵۶ءمیں''اُردوادب میں طنزومزاح''کےموضوع پرمقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔

سید وقارعظیم اور مولانا صلاح الدین احمد نے اس تحقیقی کام میں ان کی بھرپور رہنمائی کی۔ چنانچہ مولانا صلاح الدین احمد سے انھیں خاص لگاؤ ہوا تو مولانا نے اپنے عہدساز جریدے''اَدبی دُنیا''میں وزیرآغا کو شریک مدیر بنالیایوں ۱۹۶۰ءکی دہائی میں بطور مضمون نگار،ادبی اورصحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔وہ''اَدبی دُنیا''سے مولانا صلاح الدین احمد کی وفات ۱۹۶۴ءتک منسلک رہے۔مولانا سے اس قلبی تعلق کا ہی اثر تھا کہ جب انھوں نے''اوراق''کا اجرا کیا تو''اوراق''کے جتنے بھی شمارے شائع کیے،ان سب کی پیشانی پر''مولانا صلاح الدین احمد کی یاد میں''کے الفاظ چھپے ہوئے تھے۔یوں وزیرآغا کے''اورق''کے ذریعے مولانا نے بھی اَدبی کام کو اپنی وفات تک جاری رکھا۔

ڈاکٹر وزیرآغا کی تربیت مولانا صلاح الدین احمد کی نگرانی میں ہوئی اس وجہ سے وہ ہمہ جہت اور ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے۔بیک وقت،ادب،صحافت،منطق،فلسفہ،نفسیات،علم الانسان،ارضیات،فلکیات،مابعدالطبعیات اور تاریخ پرمکمل عبوراور کامل دسترس رکھتے تھے۔ان کی شخصیت کا یہ انفرادی پہلو ہے کہ انھوں نے مختلف النوع علوم کو اپنی زندگی میں شامل کیا اور انھیں اپنی فکر کے سانچے میں ڈھال کر عام قارئین تک پہنچایا۔وہ اُن اکابرین اور دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اُردوادب کے فروغ کے لیے جہاں مؤثر کردارادا کیا وہیں اُردوادب کو نت نئے موضوعات اور رجحانات سے بھی روشناس کیا۔

ڈاکٹر وزیرآغا کی یہ عادت تھی کہ کسی تحریر کو حرفِ آخر شمار نہیں کرتے تھے جب بھی کوئی تحریر لکھتے اُسے احباب کی محفل میں گفتگو کے لیے لاتے،پہلا ورق بھی انھیں محفلوں میں موضوع بحث رہتا اس پر بہت سے دوست اظہارِخیال کرتے مثلاً پروفیسر غلام جیلانی اصغر،خورشید رضوی،انور سدید،سجاد نقوی،پرویز بزمی اور حیدر قریشی وغیرہ اکثر شریک رہتے۔اس طرح کسی مسئلے کی چھان بین کے بعد اداریے کی تحریری صورت ممکن ہوتی۔مزید برآں قلبِ عباس کتابت کرتے اور سید وزیرحسین شیرازی کی نظر سے گزرنے کے بعد حتمی ڈرافٹ تیار ہوتا اور پھر طباعت کے لیے پیش ہوتا۔اُس دور کے اکثر اخبارات اور رسائل میں نئے نئے علمی وادبی خیالات ملتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر وزیرآغا کے یہ نئے رجحانات اور تحریکوں کی سمت نمائی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وزیرآغا کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے ہمیشہ نئے نئے ادبی مسائل کو موضوع بحث بنایا اور اپنا نقطۂ نظر مستقل

مزاجی سے پیش کیا۔ ورنہ اُس دور میں اکثر رسائل کے ہاں مہمان اداریہ نویس ہوتے تھے۔ نہ کوئی واضح پالیسی ہوتی اور نہ استقلال، کہ کسی نظریے کے تحرک کا باعث بن سکیں۔

اوراق کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ زبان بے حد شائستہ ہوتی تھی یہاں تک کہ اختلافی مسائل پر بھی تہذیب وشائستگی کا خیال رکھا جاتا تھا وزیر آغا کے والد اکثر کہا کرتے تھے کہ ادیب کو بچوں کی زبان میں بات کرنی چاہیے۔ وزیر آغا نے والد کے اسی قول کو پوری دیانت داری سے نبھایا۔ انھوں نے خود بھی جو کچھ لکھا وہ سادہ، سلیس اور رواں نثر میں ہے۔ اُن کے ہم نواؤں نے بھی اسی طریق کو پیشِ نظر رکھا۔ ''اوراق'' کے اداریوں میں ادبی موضوعات کے علاوہ اُن علمی موضوعات کو چھیڑا گیا جن کا تعلق اُردو ادب کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں جڑا ہوا تھا۔ مثلاً:

۱۔ ''اوراق'' کی ادبی جہت	۲۔ کلچر میں زمینی وآسمانی عناصر کی اہمیت
۳۔ کیا ''اوراق'' ارضیت کا موئد ہے	۴۔ ادب وثقافت کے مظاہر
۵۔ ''اوراق'' کا پہلا سالنامہ	۶۔ انشائیہ کا مزاج
۷۔ ''اوراق'' کی نظریاتی جہت	۸۔ ''اوراق'' کا دوسرا ''سالنامہ''
۹۔ ادبی جہت تجدید اظہار	۱۰۔ سوال یہ ہے...... کیوں؟
۱۱۔ افسانے میں جدید اور جدید تر کا مابہ الامتیاز	۱۲۔ غالب کی صد سالہ برسی...... کیوں؟
۱۳۔ ایک خطرناک رجحان	۱۴۔ ''اوراق'' دو برس بعد
۱۵۔ ادب میں خیال اور فارم کا مسئلہ	۱۶۔ ادب میں سرخ اور سبز کی تقسیم
۱۷۔ ادب اور عصرِ حاضر	۱۸۔ نثری نظم
۱۹۔ تخلیقی عمل...... موسم کی تمثیل	۲۰۔ کلچر کا مسئلہ
۲۱۔ نثری نظم...... نام کا مسئلہ	۲۲۔ ''اوراق'' اور مولانا صلاح الدین احمد
۲۳۔ نثرِ لطیف کی بات	۲۴۔ کیا تجریدی افسانہ نثرِ لطیف ہے
۲۵۔ ''اوراق'' کے افسانے اور جدیدیت	۲۶۔ جدید نظم نمبر کی بات
۲۷۔ جدید نظم نمبر پر اعتراضات	۲۸۔ نثری نظم یا خطِ مستقیم
۲۹۔ ادبی انجمن ایک عبادت گاہ	۳۰۔ ادب کی تربیت گاہیں
۳۱۔ اخبار کا ادبی صفحہ	۳۲۔ ادب میں شخصیت کا مسئلہ
۳۳۔ ادب اور صحافت کا مسئلہ	۳۴۔ آزاد نظم کی بات

۳۵۔ ادبی اظہار کی نئی وضاحت
۳۶۔ مشرقیت کی پہچان (ہائیکو طویل نظم)
۳۷۔ تخلیقی ادب
۳۸۔ دو ایوانی دماغ اور طویل نظم
۳۹۔ عصری ادب کا مسئلہ
۴۰۔ عالمی ادب ایک جہت
۴۱۔ انشائیہ کی بات
۴۲۔ نثری نظم کی شناخت
۴۳۔ کائناتِ اصغر کی سیاحت
۴۴۔ کیا اُردو ادب روبہ زوال ہے
۴۵۔ اُردو تنقید کا مسئلہ
۴۶۔ اُردو میں زبان کا مسئلہ
۴۷۔ تنقید اور جدید اُردو تنقید (۱)
۴۸۔ تنقید اور جدید اُردو تنقید (۲)
۴۹۔ انسان کا اجتماعی روپ اور ادب
۵۰۔ لسانیات کے مباحث......انسانوں کے اجتماعی روپ کی نوعیت
۵۱۔ شاعری میں ابہام
۵۲۔ نئی تنقید
۵۳۔ فکشن کی تنقید
۵۴۔ تجریدی افسانے کا کیا جواز ہے
۵۵۔ مغربی تنقید کی نئی کروٹیں اور ہم
۵۶۔ مغربی تنقید کے جدید ترین نظریات
۵۷۔ ساختیات اور پسِ ساختیات کے مباحث
۵۸۔ کمپیوٹر کی صدی
۵۹۔ تخلیق کار، تخلیق اور نقاد
۶۰۔ مارکسی تھیوری (تاریخ کا فلسفہ)
۶۱۔ سرقے کی روایت
۶۲۔ متن اور معنی آفرینی
۶۳۔ ادبی و فکری تحریکات کے زیرِ اثر تخلیق
۶۴۔ تخلیق کاری میں مصنف کی شخصیت
۶۵۔ ادبی تھیوری
۶۶۔ جدید اُردو نظم کا فروغ

الغرض ڈاکٹر وزیر آغا کے مذکورہ اداریے نئے ادبی تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔اُن کا ہر اداریہ ایک نئےموضوع اور نئی فکر سے روشناس کراتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے اداریے کو پڑھ کر قارئین شمارے کے مندرجات کا مطالعہ کرتے ہیں۔گویا ڈاکٹر وزیر آغا نے شعوری طور پر اپنے اداریوں سے قارئین کی تربیت کی ہے۔

عارف عبدالمتین:

عارف عبدالمتین ۱۹۲۳ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔تقسیم کے بعد لاہور آکر ''چشتیہ ہائی سکول'' میں بطور سائنس ٹیچر کے کام کیا۔بعدازاں ایم۔اے اسلامیات کرکے ۱۹۷۰ء میں ایم۔اے۔او کالج میں بطور لیکچرار تعینات ہوئے اور یہیں سے متقاعد ہوئے۔

عارف عبدالمتین مختلف رسائل میں کام کرنے کی وجہ سے وسیع تجربہ رکھتے تھے۔چنانچہ جنوری ۱۹۶۶ء میں جب انھیں

''اوراق'' کے ساتھ بطور مدیر منسلک ہونا پڑا تو انھوں نے اپنی ترقی پسندی کو ''اوراق'' اور وزیر آغا کی ادبی خدمت کے جذبے پر حاوی نہیں ہونے دیا بلکہ انھوں نے ''اوراق'' کے جن سولہ شماروں میں اداریہ نویسی کی، اُن میں ''اوراق'' کی پالیسی کو مدِنظر رکھا۔ چنانچہ ڈاکٹر وزیر آغا اور عارف عبدالمتین کے فکری اور نظریاتی سنگم نے ''اوراق'' کو عروج پر پہنچا دیا۔ چنانچہ فکری، علمی اور ادبی کشادہ دلی کی جو مثالیں اس جوڑی نے قائم کیں وہ اُردو کی ادبی صحافت میں شاید کم ہی ہیں۔

عارف عبدالمتین نے ہر طرح کی گروہ بندیوں سے بلند ہو کر اُردو ادب کی خدمت کی اور اپنے علمی، فکری اور ادبی نظریات کا پرچار بھی کیا جس کی بدولت اُردو ادب ان کی فکر اور ان کے نظریات سے تا دیر مستفید ہوتا رہے گا۔ عارف عبدالمتین کا انتقال ۳۰ جنوری، ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں ہوا لیکن تدفین میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں ہوئی۔

پروفیسر سجاد نقوی:

سجاد حسین نقوی ۱۶ جون، ۱۹۳۱ء میں سید امیر شاہ نقوی کے ہاں بھڑتھ، سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ادبی دنیا میں انھوں نے سجاد نقوی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد میٹرک کا امتحان ڈی۔ بی۔ ہائی سکول باماں بالا، ساہیوال سے کیا۔ اس کے بعد آپ نے عملی زندگی کا آغاز ڈائریکٹر تعلیمات کے دفتر سے کیا۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحانات پاس کیے جب کہ پنجاب یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلومہ کیا اس کے بعد گورنمنٹ کالج جھنگ اور سرگودھا میں بطور لائبریرین کام کیا۔ بعد ازاں ایم۔ اے۔ اُردو کیا اور ۱۹۶۹ء میں بہ حیثیت لیکچرار تقرر ہوا۔ مختلف شہروں میں فرائض انجام دینے کے بعد بطور اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج، سرگودھا سے ۱۶ جون، ۱۹۹۱ء میں متقاعد ہو کر لاہور میں سکونت اختیار کی۔

سجاد نقوی اُردو ادب میں بطور افسانہ نگار کے جانے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں ان کی پہلی ملاقات میرزا ادیب سے ہوئی اس کے بعد علم و ادب سے ان کا رشتہ ایسا جڑا جو آخری دم تک قائم رہا۔ سرگودھا میں رہتے ہوئے آپ کا ڈاکٹر وزیر آغا سے رابطہ ہوا جس کی وجہ سے ادب اور صحافت سے لگاؤ ہوا۔ یوں جنوری، فروری ۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والے ''اوراق'' کے سالنامے میں عارف عبدالمتین کی جگہ مدیرِ ثانی متعارف ہوئے۔ ''اوراق'' میں اعزازی مدیر کی حیثیت سے ان کے زیرِ نگرانی ۵۶ شمارے شائع ہوئے جو کسی بھی اعزازی مدیر کی ادارت میں شائع ہونے والے سب سے زیادہ شمارے قرار دیے جا سکتے ہیں۔

سجاد نقوی چھے برس تک کینسر کے مرض میں مبتلا رہے آخر کار ۹ نومبر ۲۰۱۲ء کو مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

ڈاکٹر انور سدید:

ڈاکٹر انور سدید کا اصل نام محمد انوار الدین ہے۔ آپ راجپوت برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ چوں کہ آپ کے والد میاں جی کے نام سے مشہور تھے۔ لہٰذا میاں جی آپ کے نام کا حصہ بنا۔ وہ ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء میں میانی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرگودھا اور ڈیرہ غازی خاں سے حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان ۱۹۶۸ء میں اول درجہ میں پاس کیا۔ ۱۹۷۸ء

میں ''اُردو ادب کی تحریکیں'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا اور سند حاصل کی۔

انور سدید نے متعدد اخبارات میں بطور ڈپٹی مدیر بھی کام کیا اور اپنے ادبی سفر کا آغاز ''ہمایوں'' اور ''نیرنگِ خیال'' جیسے جرائد سے بطور افسانہ نگار کیا۔ اُس کے بعد وزیر آغا کے کہنے پر اُنھوں نے تنقید کے میدان میں قدم رکھا اور پہلا تنقیدی مضمون ''اوراق'' کی زینت بنا۔ وہ اُردو کے علاوہ پنجابی اور انگریزی میں بھی لکھا کرتے تھے۔

ڈاکٹر انور سدید جون، جولائی ۱۹۸۹ء میں ''اوراق'' کے شریک مدیر کی حیثیت سے اُبھرے۔ جہاں ''اوراق'' کی پالیسی اور اس کے معیار کو مزید بہتر بنانے کے لیے اُنھوں نے معاونت بھی کی۔ یہ سلسلہ تین سال تک چلا اُس کے بعد اُنھوں نے اپنی مصروفیات کے باعث سبک دوشی اختیار کر لی۔

انور سدید کی شاعری سے لے کر تحقیق، تنقید اور ادبی تاریخ لکھنے کے ساتھ ساتھ اُردو ادب میں اُبھرنے والی تحاریک، ادبی جائزہ نگاری اور ''اوراق'' کے اداریوں تک، خدمات قابلِ ذکر ہیں۔

سوال یہ ہے:

''اوراق'' میں فن و فکر سے متعلق یہ دوسرا عنوان تھا۔ اس عنوان کے تحت ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد ہوتی تھی لیکن اس سے پہلے سوال کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ تمام اراکینِ مجلس کو پہلے اُس سے مطلع کر دیا جاتا تا کہ وہ مذاکرے میں پوری تیاری سے شرکت کریں۔

اس موضوع کی خوبی یہ تھی کہ اس میں مختلف الخیال اور فکر و نظریات کے حامل افراد کو ایک جگہ مل بیٹھنے کا موقع ملتا۔ ہر ایک اپنی بساط کے مطابق فکری و فنی بنیادوں پر داغے گئے سوال کے جواب کی کوشش کرتا۔ یہ سلسلہ سوال دَر سوال چلتا۔ اس کا طریقہ کار سادہ سا رکھا گیا تھا۔ محرکِ بحث ایک سوال اُٹھاتے، ساتھ ہی اپنا نقطہ نظر بھی واضح کرتے۔ شرکائے بحث اس پر اپنے نظریاتی اور فکری زاویے سے گفتگو کرتے۔ اس کے بعد یہی گفتگو ''اوراق'' کے شمارے میں شامل ہو کر قاری تک پہنچتی اور وہ خطوط کے ذریعے اپنے تاثرات کا اظہار کرتا۔

مذاکرے کے روز محرکِ بحث اپنا ''سوال یہ ہے'' کے حوالے سے اپنا مضمون بحث و مباحثہ کے لیے پیش کرتا تھا۔ اُس کے بعد شرکا بے لاگ بحث و مباحثہ برپا کرتے تھے۔ اس سلسلے کے مذاکرے کی روداد ۱۹۶۶ء کے پہلے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مطابق پہلے مذاکرے کا موضوع ''فن میں ابلاغ کی اہمیت'' تھا جب کہ شرکا میں افتخار جالب، سجاد باقر رضوی، غلام جیلانی اصغر، صدیق کلیم اور صلاح الدین ندیم شامل تھے۔

اُس موضوع کو شروع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عرض و معروض کا سلسلہ جاری رہے۔ خود وزیر آغا نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ''سوال یہ ہے'' کے عنوان سے اہلِ ذوق کو جو ترغیب تحریر دی جا رہی ہے۔ اہلِ ادب اس کا کیا ردِعمل دکھاتے ہیں۔ ابتدائی سالوں میں خاطر خواہ تاثرات خطوط کی شکل میں مدیر کو نہ ملے تو ایک شمارے میں ''سوال یہ ہے'' کی بحث کو ترک

کر دیا گیا۔ پھر یہ ہوا کہ قارئین کی طرف سے صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ اگلے ہی شمارے میں یہ بحث دوبارہ شروع کر دی گئی جو نومبر، دسمبر ۱۹۸۷ء تک جاری رہی۔ اس موضوع کے تحت جو سوال اُٹھائے جاتے تھے وہ ادبی انجمنوں، محفلوں اور ادبی حلقوں میں بھی زیرِ بحث آتے۔ یوں ''اوراق'' نے ایک ایسی علمی و ادبی فضا تخلیق کی جس نے ادب کے دریچوں کو نہ صرف معطر کر دیا بلکہ اذہان کو نچوڑا اور اُردو ادب کو پوری دنیا کی ادبی رو سے منسلک کر دیا۔ ''اوراق'' میں ''سوال یہ ہے'' کے تحت جو بحثیں ہوئیں اُن کی تفصیل یہ ہے:

نوٹ: یہ تو شرکائے بحث ہیں۔ بحث کے موضوعات کیا تھے کچھ سامنے نہیں آتا۔

نمبر شمار	محرکِ بحث	شرکائے بحث	شمارہ نمبر
۱۔	شہزاد احمد	افتخار جالب، سجاد باقر رضوی، غلام جیلانی اصغر، صدیق کلیم، صلاح الدین ندیم	مشمولہ، شمارہ ۱، ۱۹۶۵ء
۲۔	صلاح الدین ندیم	نظیر صدیقی، جمیل ملک، غلام جیلانی اصغر، جیلانی	مشمولہ، شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء
۳۔	افتخار جالب	کامران، پروفیسر قاضی محمد اسلم، ریاض احمد، بلراج کومل، عرش صدیقی، اعجاز فاروقی	مشمولہ، شمارہ ۳، ۱۹۶۶ء
۴۔	غلام جیلانی اصغر	ڈاکٹر وحید قریشی، سجاد باقر رضوی، جمیل آذر، محمد افضل ملک	مشمولہ، شمارہ ۴، ۱۹۶۶ء
۵۔	عابد حَسن منٹو	ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ریاض احمد، ظہیر کاشمیری بلراج کومل، باقر مہدی، صلاح الدین ندیم، غلام حسین اظہر	مشمولہ، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۶۷ء، سالنامہ
۶۔	اعجاز فاروقی	احمد ندیم قاسمی، جمیل ملک، جیلانی کامران، سجاد باقر رضوی، انور سدید، غلام حسین اظہر	مشمولہ، شمارہ ۶، فروری ۱۹۶۷ء
۷۔	ڈاکٹر عبادت بریلوی	ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر غلام حسین، وزیر آغا	مشمولہ، شمارہ ۳، ۱۹۶۷ء
۸۔	عرش صدیقی	مسعود الرؤف، ریاض احمد، جیلانی کامران، شمس الرحمٰن فاروقی، اعجاز فاروقی، انور سدید، ابنِ فرید	مشمولہ، سالنامہ ۱، فروری ۱۹۶۸ء
۹۔	مشتاق قمر	ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، جمیل ملک، ڈاکٹر سلیم اختر، انور سدید، ناصر شہزاد، جمیل آذر	مشمولہ، شمارہ ۳، نومبر ۱۹۶۸ء
۱۰۔	غلام جیلانی اصغر	وقار عظیم، ریاض احمد، عشرت رحمانی، عرش صدیقی، نظیر صدیقی، شہزاد احمد، صلاح الدین ندیم، اعجاز فاروقی	مشمولہ، سالنامہ و غالب نمبر اپریل ۱۹۶۹ء
۱۱۔	ادارہ اوراق	انور سجاد، مسعود مفتی، رشید امجد، غلام الثقلین نقوی، میرزا ادیب،	مشمولہ، دسمبر ۱۹۶۹ء، جنوری

		جوگندر پال، مرزا ریاض، حسین شاہد، صادق حسین	۱۹۷۰ء، افسانہ نمبر
۱۲۔	سید جابر علی جابر	سید وقار عظیم، جیلانی کامران، انور سدید، مشتاق قمر	مشمولہ، شمارہ ۲، جون/ جولائی ۱۹۷۰ء
۱۳۔	ادارہ اوراق	وحید قریشی، سجاد نقوی، نظیر صدیقی، رب نواز مائل، مشکور حسین یاد، سید شاہ احمد سعید جیلانی، رشید نثار، انور سدید، ڈاکٹر عبادت بریلوی	مشمولہ، مارچ/ اپریل ۱۹۷۲ء
۱۴۔	سلیم اختر	نظیر صدیقی، جمیل یوسف، جیلانی کامران، ریاض احمد	مشمولہ، خاص نمبر دورِ ثانی اکتوبر/ نومبر ۱۹۷۲ء
۱۵۔	انور سدید	میرزا ادیب، عبدالسلام خورشید، سلیم احمد، محمد علی صدیقی، ذوالفقار علی تابش، مشتاق قمر، وزیر آغا	مشمولہ، شمارہ ۳، ۴، مارچ/ اپریل ۱۹۷۳ء
۱۶۔	غلام حسین اظہر	انور سدید، سلیم اختر، سجاد نقوی، وزیر آغا	مشمولہ، ستمبر/ اکتوبر ۱۹۷۳ء شمارہ خاص
۱۷۔	میرزا ریاض	نذیر احمد، رشید امجد، رب نواز مائل، ڈاکٹر سہیل بخاری، سجاد نقوی	مشمولہ، شمارہ خاص، فروری/ مارچ ۱۹۷۴ء
۱۸۔	ذوالفقار علی تابش	ریاض احمد، میرزا ادیب، ڈاکٹر وحید قریشی، افتخار جالب، سلیم اختر، سہیل احمد خان، وزیر آغا	مشمولہ، شمارہ خاص، اگست/ستمبر ۱۹۷۴ء
۱۹۔	محمد علی صدیقی	ڈاکٹر سید عبداللہ، سجاد باقر رضوی، جمل یوسف، یحییٰ امجد	مشمولہ، نومبر/ دسمبر ۱۹۷۴ء
۲۰۔	سجاد نقوی	ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر جمیل جالبی، کامل القادری، وزیر آغا	مشمولہ، اپریل/مئی ۱۹۷۵ء
۲۱۔	خورشید رضوی	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، جیلانی کامران، اظہر جاوید، منصور قیصر	مشمولہ، ستمبر/ اکتوبر ۱۹۷۵ء
۲۲۔	رشید امجد	ذوالفقار علی تابش، سراج منیر، رفیع الدین ہاشمی، سجاد نقوی	مشمولہ، جنوری/فروری ۱۹۷۶ء
۲۳۔	شہزاد منظر	جمیل آذر، رشید امجد، انتظار حسین، غلام الثقلین نقوی، مشتاق قمر	مشمولہ، جولائی/ اگست ۱۹۷۶ء
۲۴۔	سجاد نقوی	رام لعل، سید احمد شمیم، جمیل آذر، رشید نثار، ایوب جوہر، اعجاز راہی، اکبر حمیدی، فیروز شاہ	مشمولہ، جنوری/فروری ۱۹۷۷ء، افسانہ نمبر
۲۵۔	سلیم اختر	میرزا ادیب، غلام الثقلین نقوی، مستنصر حسین تارڑ، عطاالحق قاسمی، انور سدید، مسعود انور	مشمولہ، جنوری/فروری ۱۹۷۸ء، خاص نمبر
۲۶۔	غلام جیلانی اصغر	جیلانی کامران، شہزاد کامران، شہزاد احمد، میرزا ریاض، اظہر جاوید، نظیر صدیقی، منظر امکانی	مشمولہ، جولائی/ اگست ۱۹۷۸ء، خاص نمبر
۲۷۔	سلیم آغا قزلباش	مرزا حامد بیگ، اقبال آفاقی، جمیل آذر، غلام الثقلین نقوی	مشمولہ، جنوری/فروری ۱۹۷۹ء، سالنامہ

۲۸۔	ڈاکٹر انور سدید	ڈاکٹر عبداللہ، سید فخر الدین بلے، کرامت علی کرامت	مشمولہ، جولائی/ اگست ۱۹۷۹ء، شمارہ خاص
۲۹۔	ڈاکٹر جمیل جالبی	پروفیسر ممتاز حسین، انتظار حسین، ڈاکٹر انور سدید، خالدہ حسین، اے خیام، زاہدہ حنا، وزیر آغا	مشمولہ، مارچ/ اپریل ۱۹۸۴ء
۳۰۔	وزیر آغا	غلام جیلانی اصغر، انور سدید، سجاد نقوی، انجم نیازی، سلیم آغا قزلباش، صابر لودھی	مشمولہ، اپریل/ مئی ۱۹۸۵ء، انشائیہ نمبر
۳۱۔	انور سدید	ڈاکٹر سہیل بخاری، میرزا ادیب، ڈاکٹر حسین اختر، رشید امجد، غلام جیلانی اصغر، شہزاد احمد، وزیر آغا	مشمولہ، نومبر/ دسمبر ۱۹۸۷ء، سالنامہ

اسی طرح دیگر موضوعات پر بھی بحثیں ہوئیں۔ مثلاً:

۱۔	ادب میں دائمی اقدار کا مسئلہ۔	۲۔	جدید شاعری (نظم) کا مسئلہ
۳۔	ولی دکنی کے بارے میں	۴۔	تخلیقی عمل
۵۔	اُردو میں انگریزی الفاظ	۶۔	غالب کی صد سالہ برسی کیوں
۷۔	افسانہ	۸۔	تنقید اور اُس کا فن
۹۔	انشائیہ ایک بحث	۱۰۔	جنگ، امن اور ادیب کی مثلث
۱۱۔	پاکستانی ادب کا تشخص	۱۲۔	،جدیدیت
۱۳۔	اُردو افسانے کا مستقبل کیا ہے،	۱۴۔	نثری نظم
۱۵	ادب میں یاسیت پسندی،	۱۶۔	پاکستانی کلچر اور تہذیب
۱۷۔	معیارِ ادب و فن کیا ہے،	۱۹۔	اسلوب، جدید اور ترقی پسند افسانہ
۲۰۔	سفر نامہ کیا ہے	۲۰۔	موجودہ دور میں نظم کی ضرورت،
۲۱۔	انشائیہ تحریک کیا ہے	۲۲۔	علامتی افسانہ ایک منفی رجحان
۲۳۔	انشائیہ ایک سوال	۲۴۔	انشائیہ ایک گفتگو
۲۵۔	کیا لاہور دبستانِ ادب ہے	۲۶۔	امتزاجی تنقید ایک بحث

جس معاشرے میں مکالمے کی روایت ہوتی ہے۔ اُس معاشرے میں فراغ دلی اور فیاضی بھی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مادہ بھی، یہ عمل اور برداشت کی حکمتِ عملی پیدا کرنا دانش وروں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جس معاشرے میں دانش ور

اپنا مثبت کردار ادا نہیں کرتے وہ معاشرہ غلام ہو جاتا ہے بلکہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا اور اُن کے دوستوں نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیا ہے اور مکالمے کی روایت کو زندہ کیا اور قارئین کو سوچنے کی عادت اور برداشت کا شعور عطا کیا۔اس طرح ''اوراق'' کے ذریعے وہ تاریخ ساز کردار ادا کیا جس کی ضرورت تھی۔افسوس کے یہ روایت برقرار نہیں رہی۔

ادبی گوشے:

''اوراق'' میں تیسرا عنوان ''ادبی گوشے'' ہوا کرتا تھا جس میں شاعروں، ادیبوں کے بارے میں عام رویہ یہی ہے کہ اُن کی تعریف و توصیف جو اُن کی زندگی میں نہیں ہو پائی تھی وہ وفات کے بعد کی جاتی تھی۔اُن ادبی گوشوں میں فن کاروں کی سوانح اور فن پر تعریفی نوعیت کے مبسوط مضامین لکھے جاتے تھے۔''اوراق'' نے اس روش کو بدلتے ہوئے ''ادبی گوشے'' میں اُن زندہ ادبا کی صلاحیتوں کا اعتراف بھی کیا ہے اور دلیل کے ساتھ اُن تمام اوصافِ حمیدہ اور خصائصِ چنیدہ کا ذکر کیا ہے جو حقیقی طور پر مذکورہ ادیب میں جلوہ گر تھیں۔اس تحسین سے ادیب کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اُس میں مفید کام کرنے کی مزید ہمت واستطاعت پیدا ہوئی۔''اوراق'' نے ادبی گوشوں کے علاوہ ''یادِ رفتگاں'' اور'' کی یاد میں'' کے عنوانات کے تحت بھی ادبا اور شعرا کے کارناموں کو زیبِ قرطاس کیا ہے۔ یوں دورِ حاضر کا قاری ان تمام باکمال شخصیات سے متعارف بھی ہوتا ہے اور اُن کے علمی کارناموں سے مستفید بھی۔''اوراق'' میں شائع ہونے والے یہ گوشے متوازن جامع اور مربوط طریق سے موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ذیل میں اُن شخصیات کی فہرست دی جارہی ہے جس پر گوشے اور خصوصی مطالعے میں مضامین شامل کیے گئے ہیں:۔

۱۔	مصور و خطاط عبدالرحمٰن چغتائی	اپریل/مئی، ۱۹۷۵ء
۲۔	گوشۂ اقبال	جولائی/اگست، ۱۹۷۸ء
۳۔	گوشۂ غلام الثقلین نقوی	مئی/جون ۱۹۸۳ء
۴۔	گوشۂ انور سدید	نومبر/دسمبر، ۱۹۸۳ء
۵۔	غلام جیلانی اصغر	جولائی/اگست، ۱۹۸۴ء
۶۔	تخت سنگھ (پنجابی شاعر ہونے کے ساتھ اُردو میں بھی شعر کہتے تھے۔)	نومبر/دسمبر، ۱۹۸۴ء
۷۔	انشائیہ نگار......جمیل آذر	اپریل/مئی، ۱۹۸۵ء
۸۔	شہزاد احمد......شاعر/انشائیہ نگار	اکتوبر/نومبر، ۱۹۸۵ء
۹۔	آنس معین......افسوس زندگی نے وفا نہ کی کم عمری میں انتقال	اکتوبر/نومبر، ۱۹۸۶ء
۱۰۔	گوشۂ اقبال	اپریل/مئی، ۱۹۸۷ء
۱۱۔	مشفق خواجہ	نومبر/دسمبر، ۱۹۸۷ء

۱۲۔	مجید امجد......شاعر	نومبر/دسمبر،۱۹۸۷ء
۱۳۔	گوشۂ اقبال	نومبر/دسمبر،۱۹۸۷ء
۱۴۔	مولانا صلاح الدین احمد	جون/جولائی،۱۹۸۸ء
۱۵۔	ڈاکٹر انور سدید	جنوری،۱۹۸۹ء
۱۶۔	ممتاز مفتی	جون/جولائی،۱۹۸۹ء
۱۷۔	گوشۂ مشتاق قمر	جنوری/فروری،۱۹۹۰ء
۱۸۔	گوشۂ رشید امجد......افسانہ نگار/نقاد	اگست،۱۹۹۰ء
۱۹۔	گوشۂ منشا یاد......افسانہ نگار/نقاد	جون،۱۹۹۰ء
۲۰۔	گوشۂ فرخندہ لودھی......افسانہ نگار/نقاد	دسمبر،۱۹۹۰ء
۲۱۔	گوشۂ رحمان مذنب......افسانہ نگار/	جون/جولائی،۱۹۹۰ء
۲۲۔	گوشۂ مجید امجد......شاعر	نومبر/دسمبر،۱۹۹۳ء
۲۳۔	گوشۂ اختر ہوشیار پوری......شاعر	جولائی/اگست،۱۹۹۴ء
۲۴۔	گوشۂ رشید نثار......افسانہ نگار	فروری/مارچ،۱۹۹۵ء
۲۵۔	گوشۂ ڈاکٹر مظفر حنفی......شاعر	اگست/ستمبر،۱۹۹۵ء
۲۶۔	گوشۂ نصیر احمد ناصر......شاعر	جولائی/اگست،۱۹۹۶ء
۲۷۔	گوشۂ حامد جیلانی......شاعر	جولائی/اگست،۱۹۹۶ء
۲۸۔	گوشۂ کرشن ادیب......شاعر	جنوری/فروری،۱۹۹۷ء
۲۹۔	گوشۂ ستیہ پال آنند......شاعر	جولائی/اگست،۱۹۹۷ء
۳۰۔	گوشۂ ایرن کریمر......شاعر	جولائی/اگست،۱۹۹۸ء
۳۱۔	گوشۂ علامہ محمد اقبال......شاعر	جولائی/اگست،۱۹۹۹ء

''اوراق'' کے یہ ادبی گوشے تحقیق کے حوالے سے بھی نہایت اہم ماخذ شمار کیے جاتے ہیں۔ادبی شخصیات پر وہ مضامین اور مقالات جو ذمہ داری کے ساتھ لکھے جاتے ہیں وہ آنے والے زمانے میں رجال کی تاریخ کا اہم حصہ بن جاتے ہیں۔چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''اوراق'' نے رجال کی تاریخ مرتب کرنے میں معاونت کی ہے اور ذمہ داری سے فریضہ انجام دیا ہے۔

زندہ ادیبوں کے لیے گوشے:

''اوراق'' نے زندہ ادیبوں کے لیے گوشے مختص کرنے کا کام شروع کیا ہے وہ واقعی قابلِ ذکر ہے۔اس طرح ادب کا قاری، زمانہ حال کے ادیبوں کے فکروفن سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ان فن پاروں سے Inspiration کے نئے چراغ روشن کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہوتا ہے۔''اوراق'' نے اپنے قلم کاروں کے لیے خصوصی مطالعے کے جو گوشے دیئے وہ دسمبر۱۹۹۱ء،نومبر/دسمبر۱۹۹۲ء اور دسمبر۱۹۹۳ء میں شائع ہوئے۔ان خصوصی مطالعوں میں اکبرحمیدی، افضل منہاس اور انجم نیازی کے فکروفن پر خصوصی تحریریں شاملِ اشاعت ہوئیں۔تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اکبرحمیدی:

اکبرحمیدی نے شاعری، انشائیہ نگاری اور خاکہ نگاری میں مضامین کے انبار لگادیے ہیں۔محمود قاضی کے مطابق اکبرحمیدی نے نظم ونثر دونوں میدانوں میں یقیناً اتنا کام کرلیا ہے کہ اُسے مطالعہ خصوصی کا حق دار قرار دیا جائے۔اکبرحمیدی کے خصوصی مطالعے میں منشا یاد نے اُن کا خاکہ کھینچا ہے جو قابلِ صد تحسین ہے اور اکبرحمیدی کے ذہنی پس منظر کو منکشف کرتا ہے۔جس میں اُس کی تخلیقات ظہور پذیر ہوتی ہیں اور یوں مصنف کی شخصیت اور اُس کی تخلیقات کی تفہیم کے کئی دریچے وا ہوتے ہیں۔اکبرحمیدی کا انشائیہ ''نئی پرانی گاڑیاں'' اُردو کے صفِ اول کے انشائیوں میں شمار ہوتا ہے۔غیاث اقبال کی رائے کے مطابق:

> ''اس انشائیے میں نئی نسل کے فنکاروں کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ انشائیہ نگار نے خود کو پرانی گاڑی کے اس کارواں میں شامل کیا ہے جو نئی گاڑیوں کو Tow کرنے کا سزاوار ہے۔ہم سب کی گارنٹی (انسانی وجود کی) گاڑی کی سلامتی سے وابستہ ہے۔یہ گاڑی ادب کے علاوہ اور کیا ہے Arch of Noah کی نئی تشکیل۔سبحان اللہ۔اکبر حمیدی کی شاعری میں نفسیاتی عناصر اور مخصوص فضا کی تشکیل دراصل اُن کی شعوری عمل کی تہہ داری ہے جو لہر دَر لہر اُن کے شعروں میں جلوہ گر ہے۔وہ باطن کی آنکھ سے خارجی عناصر کو دیکھنے کا ہنر جانتے ہیں اور اسی وجہ سے اُن کی شاعری میں ایک جہاں آباد ہے۔'' ۵؎

۲۔افضل منہاس:

افضل منہاس کی زندگی آلام ومصائب سے عبارت ہے لیکن ان مشکل حالات میں زندہ رہنے کا ہنر جانتے ہیں۔دوسری جنگِ عظیم میں وہ اور اُن کے دو بھائی برطانوی فوج میں ملازم تھے اور برما کے محاذ پر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔جاپان نے برطانیہ کو پے دَر پے شکست سے دوچار کیا۔حتیٰ کہ اس محاذ پر بھی برطانیہ کو خفت اُٹھانی پڑی۔برطانیہ نے اپنے سپاہیوں کو جان بچانے کا حکم دیا۔چنانچہ بہت سے لوگ برما سے آسام کے راستے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے موجودہ پاکستان پہنچے۔

اُردو ماہیا:

مجلّہ ''اوراق'' میں اُردو ماہیا کی اشاعت کا سلسلہ ۱۹۸۷ء کے لگ بھگ شروع ہوا۔نصیر احمد ناصر، علی محمد قریشی اور سیدہ حنا ابتدائی طور پر اس میدان میں آئے۔ان کے تخلیقی ماہیے نے دوسرے ادیبوں کو متاثر کیا۔ماہیے کے بارے میں ہنوز فیصلہ نہیں ہو پایا کہ

ماہیا کس وزن اور بحر میں ہو۔کبھی ماہیے کو ثلاثی کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے اور کبھی اسے ہم وزن مصرعوں میں لکھنے کی تاکید کی جاتی ہے اور کوئی اس بات پر زور دے رہا ہے کہ درمیانی مصرعہ ایک سبب یعنی دو حروف کم میں لکھا جائے۔ کیا اُردو ماہیا پنجابی ماہیے کی فارم میں ہو۔کچھ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ ماہیا پنجابی لوک گیت ہے اور موسیقی سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ممتاز عارف نے''اوراق'' کے صفحات پر یہ بحث ضرور چھیڑی کہ ماہیے کو کسی مخصوص وزن میں ہونا چاہیے۔سعید شباب نے تجویز دی کہ''اوراق'' بھی پنجابی ماہیے کے وزن پر اُردو میں ماہیے کو چھاپے۔اسی دوران ناصر عباس نیر کا ایک مضمون''ماہیا اور اُردو ماہیا نگاری'' مئی/ جون ۱۹۹۳ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ یہ مضمون تہذیبی اور ثقافتی حوالے سے اور دیگر کئی حوالوں سے ماہیا نگاروں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ناصر عباس نیر کا ایک اور مضمون ماہیا کے وزن کا مسئلہ بھی''اوراق'' کی زینت بنا۔اسی مضمون نے ماہیے کی سمت نمائی کے تعین میں اہم کردار ادا کیا۔ایک نئی بحث شروع ہوئی اور''اوراق'' میں حسبِ ذیل مضامین شائع ہوئے جو ماہیے کے خدوخال واضح کرنے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نمبر شمار	مضامین	مصنف
۱۔	سیدہ حنا کے ماہیے	بشیر سیفی
۲۔	ماہیے کا فروغ	حیدر قریشی
۳۔	اُردو ماہیا.....فنِ تکنیک اور موضوع	ظہیر غازی پوری
۴۔	ماہیا کیوں؟	حیدر قریشی
۵۔	اُردو ماہیا	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
۶۔	پنجابی ماہیے کی ہیئت	پرویز بزمی
۷۔	اُردو ماہیے کا بانی	ہمت رائے شرما
۸۔	ماہیے کی بحث	حیدر قریشی
۹۔	اور آخری مضمون	حیدر قریشی
۱۰۔	''اوراق'' اور ماہیا	حیدر قریشی

درج بالا مضامین نے ماہیا کی جڑ سے چوٹی تک کی نشوونما اور تبدیلیوں کو بڑی خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ ماہیا پنجابی تہذیب روایات اور معاشرت سے یوں آراستہ و پیراستہ ہے کہ اس کی گہرائی میں جانے کے لیے تہذیبِ مذکور کا بغور مطالعہ ضروری ہے۔ ماہیا لکھنے والوں میں دیگر شعراء، امین خیال، حسن عباس رضا، سعید شباب، فرحت نواز، نثار ترابی، انور چغتائی، ذوالفقار احسن، کرشن کمار طور، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، سجاد مرزا، اجمل جنڈیالوی وغیرہ شامل ہیں۔ دراصل''اوراق'' نے ماہیا کی تحریک کو وہ تقویت بخشی کہ اب

ماہیا لکھنے والوں کی ایک کھیپ اُردو ادب میں جلوہ فگن ہے۔

تجزیاتی مطالعہ:

''اوراق'' میں شائع ہونے والی نظموں کا تجزیاتی مطالعہ،عملی تنقید کی طرف ایک مثبت پیش رفت ہے۔اس کے علاوہ ''اوراق''بطور ادبی اور ثقافتی تحریک،جدیدیت کی تحریک میں اپنی پہچان رکھتا ہے اور''اوراق'' میں کتابوں پر تبصرے بھی تنقیدی شعور کی گہرائی اور گیرائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اُردو انشائیہ:

انشائیے کی مستند تعریف اس کے بانی اور مزاج کے بارے میں آج بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔کچھ ادیب ونقاد اس بات پر مصر ہیں کہ غالب کی تحریریں انشائیے کی ذیل میں آتی ہیں۔مزید یہ کہ تمام طنزیہ اور مزاحیہ تحاریر اور اصلاحی مضامین کو انشائیے میں شامل ہونا چاہیے جب کہ دوسرے گروپ کا خیال ہے کہ انشائیہ کی جامع اور مانع تعریف ممکن نہیں۔ایک اور بات بھی انشائیے کی ذیل میں گردش کر رہی ہے کہ انشائیہ مغرب میں تو دم توڑ گیا یہاں اسے دوبارہ زندہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔الغرض انشائیے کے ارتقائی سفر میں بہت سی رکاوٹیں آئیں لیکن یہ صنف ترقی کی منازل طے کرتی گئی۔ان منازل کے طے کرنے میں''اوراق'' کا خونِ جگر بھی شامل ہے۔بالخصوص ''اوراق'' نے تو انشائیے کے فروغ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔آج اُردو انشائیہ کا خیال آتے ہی وزیر آغا کی شخصیت سامنے آتی ہے جن کی مساعیِ جمیلہ سے انشائیے کی شناخت ہوئی اور اُن تحریروں کو انشائیے سے خارج سمجھا گیا جو عرفانِ ذات سے مبرا ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے انشائیہ کی واضح تعریف کی ہے کہ انشائیہ اُس نثری صنف کا نام ہے جس میں انشائیہ نگار اسلوب کی تازہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشیا یا مظاہر کے مخفی مفاہیم کو کچھ اس طور پر گرفت میں لیتا ہے کہ انسانی شعور اپنے مدار سے ایک قدم باہر آکر ایک نئے مدار کو وجود میں لانے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔''اوراق'' نے انشائیے کے فروغ کے لیے جو خدمات سرانجام دیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ غیر ملکی انشائیے کے تراجم ۲۔ انشائیوں کے مجموعہ کے مطالعے

۳۔ انشائیہ کی بحثیں،مقالات،مضامین،مذاکرے،گفتگو،سوال یہ ہے وغیرہ کی شکل میں۔

۴۔ انشائیے کے تجزیاتی مطالعے ۶۔ انشائیہ اور مضمون میں فرق

۵۔ ''اوراق'' کے اداریے کے ذریعے سے بھی انشائیہ کے خدوخال کو واضح کیا۔

۷۔ پاکستان میں انشائیے کی انتہائی زرخیز روایت ''اوراق'' نے قائم کی۔ایک زمانہ تھا انشائیہ کو کسی رسالے میں جگہ نہیں ملتی تھی اور آج کل کوئی رسالہ انشائیہ کی صنف کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا ''اوراق'' نے جن انشائیہ نگاروں کو متعارف کروایا اُن کی ایک بڑی کھیپ آج تیار ہو چکی ہے۔مشتاق قمر، غلام جیلانی اصغر،جمیل آذر، انور سدید، ڈاکٹر بشیر سیفی،سلیم آغا قزلباش، اکبر حمیدی، کامل

القادری، انجم نیازی، ناصر عباس نیر، ڈاکٹر وزیر آغا اور بہت سے انشائیہ نگار اس فن میں عمدگی سے اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔

قارئین کے خطوط

''اَدھوری ملاقاتیں/آپس کی باتیں'' کے مستقل عنوان کے تحت ''اوراق'' نے قارئین کے خطوط کو بڑی اہمیت دی ہے۔ چناں چہ پہلے پرچے ۱۹۶۶ء میں عارف عبدالمتین نے اس سلسلے کی غرض وغایت بیان کی ہے:

> ''اس عنوان کے ذریعہ ہم پڑھنے والوں کا ایک طبقہ پیدا کرنے کے آرزو مند ہیں۔ جو تنقیدی شعور سے بہرہ ور ہو، اور ادب کے غیر مؤثر قارئین کی بجائے ایسے فعال ناظرین پر مشتمل ہو جو ادب سے تاثر ہی قبول نہ کرے بلکہ اسے اپنی رائے سے متاثر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس عنوان کے تحت صرف ایسے خطوط شائع کر سکیں گے جو فن کاروں کے محض نام گنوانے اور ایک آدھ فقرہ ان کی تقریض یا تنقیص میں لکھنے کی بجائے ان کی تخلیقات کے حسن و قبح پر خیال افروز بحث کا دَر وا کریں گے۔'' ۶

اس عنوان کے تحت شائع ہونے والے خطوط اَدب کے بہت سے نقادوں کو واضح کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ چنانچہ افسانے، غزل، نظم، انشائیے اور دیگر اصنافِ ادب پر بحثیں جو ایک منطقی نتیجہ رکھتی ہیں، اِن خطوط میں جا بجا ملتی ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ خطوط نثری تحریروں میں ایک ہیجان انگیز اضافہ ہیں۔ اِن کے فلیور مختلف ہیں کہیں استادانہ رنگ کی جھلک اور کہیں دوستانہ انداز، مشاہدے کی گہرائی اور علمیت کی گیرائی اِن خطوط میں ملتی ہے۔ ''اوراق'' میں شائع ہونے والے خطوط کی تفصیل اس طرح ہے۔

نمبر شمار	شمارہ	خطوط کی تعداد	نمبر شمار	شمارہ	خطوط کی تعداد
۱۔	شمارہ خاص ا، ۱۹۶۶ء	۰۰	۲۔	شمارہ خاص ۲، ۱۹۶۶ء	۱۰
۳۔	شمارہ خاص نمبر ۳، ۱۹۶۶ء	۶	۴۔	شمارہ خاص ۴، ۱۹۶۶ء	۶
۵۔	سالنامہ، ۱۹۶۷ء	۵	۶۔	شمارہ خاص ۲، ۱۹۶۷ء	۷
۷۔	شمارہ خاص ۳، ۱۹۶۷ء	۶	۸۔	سالنامہ......۱۹۶۸ء	۱۰
۹۔	شمارہ خاص ۲، جولائی، ۱۹۶۸ء	۶	۱۰۔	شمارہ خاص ۳، نومبر، ۱۹۶۸ء	۶
۱۱۔	سالنامہ و غالب نمبر، ۱۹۶۹ء	۱۶	۱۲۔	افسانہ نمبر، دسمبر، ۱۹۶۹ء، جنوری، ۱۹۷۰ء	۰۰
۱۳۔	شمارہ خاص ۲، جون، جولائی، ۱۹۷۰ء	۵	۱۴۔	افسانہ و انشائیہ نمبر دورِ ثانی ا، مارچ، اپریل ۲، ۱۹۷۲ء	۰۰
۱۵۔	خاص نمبر ا کتوبر، نومبر ۲، ۱۹۷۲ء	۹	۱۶۔	خاص نمبر دورِ ثانی، مارچ، اپریل ۳، ۱۹۷۳ء	۱۲
۱۷۔	شمارہ خاص نمبر، ستمبر، اکتوبر ۳، ۱۹۷۳ء	۸	۱۸۔	شمارہ خاص، فروری، مارچ ۴، ۱۹۷۴ء	۱۰
۱۹۔	شمارہ خاص، اگست، ستمبر ۴، ۱۹۷۴ء	۱۲	۲۰۔	شمارہ خاص، نومبر، دسمبر ۴، ۱۹۷۴ء	۱۷

۲۱۔ سالنامہ،۱۹۷۵ء	۱۱	۲۲۔ شمارہ،ستمبر،اکتوبر۱۹۷۵ء	۰۰
۲۳۔ سالنامہ، ۱۹۷۶ء	۹	۲۴۔ شمارہ، جولائی،اگست۱۹۷۶ء	۱۱
۲۵۔ افسانہ نمبر،جنوری،فروری، ۱۹۷۷ء	۱۰	۲۶۔ شمارہ جدید نظم نمبر، جولائی،اگست،۱۹۷۷ء	۰۰
۲۷۔ شمارہ خاص نمبر،جنوری،فروری،۱۹۷۸ء	۲۰	۲۸۔ شمارہ خاص نمبر، جولائی،اگست،۱۹۷۸ء	۰۰
۲۹۔ سالنامہ،۱۹۷۹ء	۱۳	۳۰۔ شمارہ خاص، جولائی، اگست،۱۹۷۹ء	۱۰
۳۱۔ شمارہ خاص،جنوری، فروری،۱۹۸۰ء	۱۴	۳۲۔ شمارہ خاص،ستمبر،اکتوبر،۱۹۸۰ء	۱۵
۳۳۔ شمارہ خاص،فروری، مارچ،۱۹۸۱ء	۹	۳۴۔ شمارہ،ستمبر،اکتوبر،۱۹۸۱ء	۱۹
۳۵۔ بہار نمبر،اپریل،مئی، ۱۹۸۲ء	۲۱	۳۶۔ سالنامہ، ۹۸۲ء	۲۵
۳۷۔ شمارہ خاص نمبر،مئی، جون۱۹۸۳ء،	۱۵	۳۸۔ شمارہ خاص نمبر،نومبر،دسمبر،۱۹۸۳ء	۲۵
۳۹۔ شمارہ خاص نمبر، مارچ، اپریل،۱۹۸۴ء	۱۷	۴۰۔ شمارہ خاص نمبر، جولائی، اگست،۱۹۸۴ء	۲۲
۴۱۔ شمارہ خاص نمبر،نومبر،دسمبر، ۱۹۸۴ء	۱۹	۴۲۔ شمارہ انشائیہ نمبر، اپریل،مئی، ۱۹۸۵ء	۱۵
۴۳۔ سالنامہ،۱۹۸۵ء	۲۴	۴۴۔ شمارہ خاص نمبر، مارچ، اپریل،۱۹۸۶ء	۲۵
۴۵۔ سالنامہ،۱۹۸۶ء	۲۲	۴۶۔ خاص نمبر،اپریل،مئی، ۱۹۸۷ء	۱۹
۴۷۔ سالنامہ،۱۹۸۷ء	۲۰	۴۸۔ خاص نمبر، جون، جولائی، ۱۹۸۸ء	۱۸
۴۹۔ سالنامہ،۱۹۸۹ء	۱۶	۵۰۔ شمارہ خاص نمبر، جون، جولائی، ۱۹۸۹ء	۱۸
۵۱۔ سالنامہ،۱۹۹۰ء	۲۶	۵۲۔ شمارہ خاص نمبر، اگست،۱۹۹۰ء	۲۵
۵۳۔ شمارہ خاص نمبر،دسمبر، ۱۹۹۰ء	۲۵	۵۴۔ شمارہ خاص نمبر، جون، جولائی، ۱۹۹۱ء	۲۲
۵۵۔ سالنامہ،۱۹۹۱ء	۱۵	۵۶۔ شمارہ خاص نمبر، جون، جولائی،۱۹۹۲ء	۳۳
۵۷۔ شمارہ خاص نمبر،نومبر،دسمبر، ۱۹۹۲ء	۳۱	۵۸۔ شمارہ خاص نمبر،مئی، جون، ۱۹۹۳ء	۱۹
۵۹۔ سالنامہ،۱۹۹۳ء	۲۵	۶۰۔ شمارہ خاص نمبر، جولائی، اگست۱۹۹۴ء	۲۸
۶۱۔ سالنامہ،۱۹۹۵ء	۲۷	۶۲۔ خاص نمبر، اگست، ستمبر،۱۹۹۵ء	۳۰
۶۳۔ سالنامہ،۱۹۹۶ء	۲۲	۶۴۔ شمارہ خاص نمبر، جولائی، اگست،۱۹۹۶ء	۲۵
۶۵۔ سالنامہ،۱۹۹۷ء	۲۳	۶۶۔ سالنامہ،۱۹۹۷ء	۳۰
۶۷۔ سالنامہ،۱۹۹۸ء	۳۸	۶۸۔ شمارہ خاص نمبر، جولائی، اگست،۱۹۹۸ء	۳۳

۶۹۔ سالنامہ،جنوری،فروری،۱۹۹۹ء	۲۹	۷۰۔ شمارہ خاص نمبر، جولائی، اگست،۱۹۹۹ء	۱۷
۷۱۔ شمارہ خاص نمبر،جنوری، فروری، ۲۰۰۰ء	۳۱	۷۲۔ شمارہ خاص نمبر، مئی، جون،۲۰۰۲ء	۰۰
۷۳۔ شمارہ خاص نمبر،فروری، مارچ،۲۰۰۳ء	۱۵	۷۴۔ شمارہ خاص نمبر، مارچ، اپریل،۲۰۰۴ء	۱۹
۷۵۔ شمارہ خاص نمبر،نومبر، دسمبر،۲۰۰۵ء	۱۲		

حواشی :

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا،''پہلا ورق''،''اوراق''شمارہ نمبر ۱،۱۹۶۶ء،ص ۷۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ حیدر قریشی، راغب شکیب،''پہلا ورق''،''اوراق کے اداریے''،ص ۱۳۔

۵۔ غیاث اقبال کا غیر مطبوعہ خط مشمولہ''اوراق''،۱۹۹۳ء۔

۶۔ شوکت واسطی،''افضل منہاس کی آسمان بیکراں''،''اوراق''،لاہور، نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء،ص ۱۴۰۔

۷۔ جمیل آذر،''انجم نیازی کا شعری سفر''،''اوراق''،لاہور، مئی، جون ۱۹۹۳ء،ص ۲۶۲۔

۸۔ عارف عبدالمتین،''اداریہ ثانی''،''اوراق''،لاہور، جنوری، فروری،۱۹۶۶ء،ص ۶۔

حاصل مطالعہ:

جیسا کہ اس مطالعے سے مستفاد ہے کہ تاریخِ ادب میں''مجلّہ اوراق''اور ڈاکٹر وزیر آغا کا نام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

چنانچہ موصوف کی ادارت سے جہاں مذکورہ مجلّے نے اہم اور مثالی خدمات انجام دیں وہیں خود بانی مدیر مجلّہ کو بھی اپنی بھرپور تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملا۔

اگر ادبی تناظر میں ہماری ستّر سالہ تاریخ کو دیکھا جائے تو وطن عزیز اور اس کی سرزمین سے تہذیب وثقافت کے مضبوط رشتے بہ قول غالب:''وفاداری بہ شرطِ استواری''ایک قابل تقلید مثال دکھائی دیتی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے جس سنجیدگی، سلامت روی اور شائستگی سے اپنا، اپنے رسالے اور احباب کا ایک مؤثر حلقہ قائم کیا وہ مثالی کہا جا سکتا ہے۔

مجلّہ''اوراق''کے توسط سے جہاں نئے لکھنے والوں کی ذہنی تربیت ہوئی وہیں باکمال لکھاریوں کو نئے نئے موضوعات،

متنوع ادبی جہات اور بھرپور مکالمے کے متواتر مواقع بھی ملے۔

مجلّہ ''اوراق'' کے توسط سے فروغ پانے والا ادب جہاں بھرپور تخلیقی توانائیوں کا حامل نظر آتا ہے وہیں یہ پاکستانیت اور استحکام پاکستان کا بھی آئینہ دار ہے۔

مجلّہ ''اوراق'' میں ادبی مباحث کو آگے بڑھانے میں قارئین کے خطوط نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو لکھنے والوں میں وہ نام بھی دکھائی دیتی ہیں جو اُس وقت کے نو واردانِ ادب کہے جاسکتے تھے لیکن آگے چل کر انھی لوگوں نے نمایاں ادبی خدمات انجام دیں۔

انشائیہ کیا ہے؟ اس کی تعریف کا تعین کرنا، نیز ادبی روایت میں اس کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالنا، وہ اہم ادبی منزلیں ہیں جنھیں اس مجلّے کے مدیران اوراس کے قلمی معاونین نے سر کر کی تاریخ میں محفوظ کر دیا۔

اسی طرح اگر آج تہذیبی وثقافتی تناظر میں اُردو ''ماہیے'' کے فروغ اور فنی وتکنیکی مبادی ومباحث کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسی مجلّے نے سمت نمائی کا کردار ادا کیا ہے۔

جدید اردو تنقید کے حوالے سے تو مجلّہ ''اوراق'' اوراس کے لکھنے والوں نے قابلِ لحاظ خدمات انجام دی ہیں۔